کیا میلادالنبی ﷺ منانا بدعت ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

کیا
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
منانا بدعت ہے؟

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695 -042

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَـوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّهِمِ

مُـحَمَّدٌ سَیِّدُ الۡکَوۡنَیۡنِ وَالثَّقَلَیۡنِ

وَالۡفَرِیۡقَیۡنِ مِنۡ عُرۡبٍ وَّمِنۡ عَجَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹-۳-۷۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۶۱-۸۰ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	کیا میلاد النبی ﷺ منانا بدعت ہے؟
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تخریج	:	محمد علی قادری، محمد فاروق رانا
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2008ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	50/- روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و لیکچرز کے کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فہرس

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

صفحہ	مشتملات
۶۳	❁ مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

حضور تاجدارِ کائنات ﷺ روحِ اِیمان ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے رشتۂ محبت اُستوار کیے بغیر نہ تو لذتِ اِیمان نصیب ہوسکتی ہے اور نہ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے تعلقِ عبودیت قائم ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ خالقِ کائنات تک پہنچنے کا واحد اور لازمی واسطہ ہیں، لہٰذا سینے میں آپ ﷺ کی اُلفت و رحمت کے چراغ فروزاں کیے بغیر جادۂ مستقیم پر گامزن نہیں ہوا جا سکتا۔

یہ ایک اَلمیہ ہے کہ بعض لوگ ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و ایمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اَصل روح اور کارفرما حکمت کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ظاہر پرست علماء محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے صرف اِس لیے اِسے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اِس قسم کی محافل اور جشن کی تقاریب اَوائل دورِ اِسلام میں منعقد نہیں ہوئیں۔ اِس بحث کے تناظر میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدّظلہ العالی نے بدعت کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے جمہور کا موقف بیان کیا ہے۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ لغت کی رُو سے نئے اُمورِ خیر کو بدعت کہنا صحیح ہے لیکن صرف بدعت کہہ کر اِنہیں ہدفِ تنقید بنانا اور ناپسندیدہ قرار دینا محض تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ شیخ الاسلام مدّظلہ العالی نے واضح کیا ہے کہ ہر دور میں ہر چیز کی ہیئت اور صورت حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ اس میں کئی جدتیں اور عصری تقاضے شامل ہوتے رہتے ہیں مگر ان کی ہیئت اَصلیہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

اِس کتاب میں اِس حقیقت کو اَلم نشرح کیا گیا ہے کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ کی موجودہ صورت اپنی اَصل کے اِعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ جس طرح ہم محافلِ میلاد میں حضور ﷺ کے لیے نعت کا اہتمام کرتے ہیں، آپ ﷺ کے فضائل و

کمالات بیان کرتے اور مختلف انداز میں سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، جو فی الواقعہ ہمارے جشنِ میلاد منانے کا مقصد ہے، اِسی طرح کی محفلیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا تھا، عہدِ نبوی ﷺ میں بھی منعقد ہوتی تھیں اور آپ ﷺ محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے حتی کہ اپنی محفلِ نعت خود منعقد کرواتے تھے۔ اس سے یہ اَمر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ میلاد النبی ﷺ منانا بدعتِ ممنوعہ نہیں بلکہ ایک مباح، مشروع اور قابلِ تحسین عملِ خیر ہے۔

یہ کتاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شہرہ آفاق اور ضخیم تصنیف ''میلاد النبی ﷺ'' کا ایک باب ہے جسے اس کی اَہمیت و ضرورت اور طلب کے پیشِ نظر الگ طبع کیا جا رہا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ ﷻ ہمیں حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی صورت میں اس نعمتِ کبریٰ کے عطا ہونے پر تشکر و اِمتنان اور فرحت و اِنبساط کے اِظہار کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

محمد فاروق رانا

ڈپٹی ڈائریکٹر (رِیسرچ)

فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

۵ ربیع الاوّل، ۱۴۲۹ھ

www.MinhajBooks.com

ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ''بدعت'' ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز و حرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقض (contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئہ یا بدعتِ ضلالہ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ نا جائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' کے صفحہ نمبر ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها و التی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے اور وہ قرآن و حدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام

ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب وسنت کے ساتھ نا اِنصافی ہے۔

ذیل میں ہم جشنِ میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت اور اُس کے فضائل وثمرات کے حوالے سے تصورِ بدعت کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں گے۔ بہ طورِ خاص اس بے بنیاد تصور کا اِزالہ کریں گے کہ ہر وہ کام جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور نہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں اس کا ثبوت ملتا ہے، اسے اگر بعد میں کیا جائے تو -قطعِ نظر اچھائی یا برائی کے- وہ بدعت (یعنی نیا کام) ہونے کی بناء پر کلیتًا ناجائز اور حرام تصور ہوگا۔ اِس خودساختہ تصور کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھا جائے گا اور کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ثابت کیا جائے گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد پر فرحت و اِنبساط کا اِظہار کرنا ایک مشروع، مباح اور جائز عمل ہے۔

بدعت کا لغوی مفہوم

''بدعت'' کا لفظ بَدَعَ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے:

''کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا۔''

۱۔ ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لفظِ بدعت کے تحت لکھتے ہیں:

أبدعت الشيء: اخترعته لا علی مثال۔(۱)

''میں نے فلاں شے کو پیدا کیا یعنی اُسے بغیر کسی مثال کے ایجاد کیا۔''

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) بدعت کا لُغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث علی غير مثال سابق۔(۲)

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۸:۶

(۲) ۱۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳

۲۔ شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، ۳:۶۳

’’اَصلِ بدعت یہ ہے کہ اُسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔‘‘

معنیٔ بدعت کی قرآن حکیم سے توثیق

قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مشتقات بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے۔ صرف دو مقامات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بغیر کسی مثالِ سابق کے پیدا فرمائے، اس لیے خود کو بدیع کہا۔ فرمایا:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○[۱]

’’وہی آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اور جب وہ کسی چیز (کے ایجاد) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے: تو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے○‘‘

۲۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔[۲]

’’وہی آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے۔‘‘

درج بالا آیات سے ثابت ہوا کہ کائناتِ اَرضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ بدعت ہے اور اِسے عدم سے وجود میں لانی والی ذاتِ باری تعالیٰ ’’بدیع‘‘ ہے۔

www.MinhajBooks.com

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

اہلِ علم کے نزدیک بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

(۱) البقرہ، ۲: ۱۱۷

(۲) الأنعام، ٦: ۱۰۱

۱۔ اِمام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) بدعت کی تعریف اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

البدعة هی إحداث مالم يكن فی عهد رسول الله ﷺ۔(۱)

''بدعت سے مراد ایسے نئے کام کی ایجاد ہے جو عہد رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔''

۲۔ شیخ ابن رجب حنبلیؒ (۷۳۶۔۷۹۵ھ) بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فی الشريعة يدل عليه، وأما ما كان له أصل من الشّرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً، وإن كان بدعة لغة۔(۲)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی حسنة، وإن كانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشّرع

(۱) نووی، تہذيب الأسماء واللغات، ۳: ۲۲

(۲) ۱۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسين حديثاً من جوامع الكلم: ۲۵۲

۲۔ عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن أبی داود، ۱۲: ۲۳۵

۳۔ مبارك پوری، تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی، ۷: ۳۶۶

فھی مستقبحۃ۔(۱)

’’تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت کوئی ایسا کام ہو جو شریعت میں مستحسن اُمور میں شمار ہو تو وہ حسنہ ہے اور اگر وہ شریعت میں ناپسندیدہ اُمور میں شمار ہو تو وہ قبیحہ ہو گی۔‘‘

اِن تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نئے کام یعنی بدعت کو محض نیا کام ہونے کی وجہ سے مطلقاً حرام یا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اُس کے جواز یا عدمِ جواز کو پرکھنے کا پیمانہ یہ ہے کہ اگر وہ نیا کام شریعت میں مستحسن و مباح ہے تو اُسے بدعتِ حسنہ کہیں گے اور اگر وہ نیا کام شریعت میں غیر مقبول و ناپسندیدہ ہو تو اُسے بدعتِ سیہ یا بدعتِ قبیحہ کہیں گے۔

اِس اُصولی بحث کے بعد یہ اَمر واضح ہو گیا کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ اگرچہ قرونِ اُولیٰ میں اِس شکل میں موجود نہیں تھا جس ہیئت میں آج موجود ہے، لیکن چوں کہ قرآن حکیم کی تلاوت، ذِکرِ اِلٰہی، تذکارِ رسالت، ثنا خوانیٔ مصطفیٰ ﷺ، صدقہ و خیرات کرنا، فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا جیسے اَعمال اِس جشن کے مشتملات ہیں، اور اِن میں سے کوئی اَمر بھی شریعت میں ممنوع نہیں، لہٰذا یہ ایک جائز، مشروع اور مستحسن عمل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سابقہ اَدوار کے لوگ اپنے رسوم و رواج اور ثقافت کے مطابق نعمتِ عظمیٰ ﷺ ملنے کے دن شکرِ اِلٰہی بجا لاتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں جس طرح زندگی کے ہر گوشہ میں تبدیلی رُونما ہوئی ہے اُسی طرح جشن میلاد النبی ﷺ منانے کے اَطوار بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اِس اَمر کی وضاحت کرتے ہیں:

کیا علاقائی ثقافت کا ہر پہلو بدعت ہے؟

ہم اپنی روز مرّہ زندگی میں جو کچھ کرتے ہیں اُسے قرآن و سنت کی روشنی میں

(۱) ۱۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳

۲۔ شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، ۳: ۶۳

شرعاً ثابت کرنے پر زور دینا ہمارا مزاج بن چکا ہے۔ ہم ہر چیز کو بدعت اور ناجائز کہہ دیتے ہیں۔ اس میں میلاد النبی ﷺ کے جلوس اور بہت سے مستحسن اُمور جو ہمارے ہاں رواج پا چکے ہیں ان کو معترضین بدعت سے تعبیر کرتے نہیں تھکتے۔ کچھ چیزیں اصلاً دینی ہوتی ہیں ان کی اصل توضیح اور استدلال کو کتاب وسنت میں تلاش کرنا چاہیے کہ وہ احکامِ دین کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر تو حکم شرعی ہونا چاہیے کہ ثابت ہے تو حکم ہے اور اگر غیر ثابت ہے تو حکم نہیں اور باقی چیزوں کی تقسیم کر سکتے ہیں:

اَوّلاً: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں علاقائی اور سماجی رواج شامل ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک اہم اور نئی جہت ہے کہ علاقائی رواج دینی اُمور نہیں بن جاتے اور وہ چیزیں کلچر یعنی تہذیب و ثقافت کا رُخ اختیار کرلیتی ہیں۔

ثانیاً: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وقتی مصالح، بدلتے ہوئے حالات، لوگوں کے رُجحانات اور اجتماعی میلانات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

ثالثاً: بعض علاقائی، سماجی اور کلچرل ضرورتیں اور تقاضے بعض چیزوں کو ناگزیر بنا دیتے ہیں۔

۱۔ ثقافتی اِعتبار سے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ثقافتی اِعتبار سے سادہ تھا۔ اس دور کا ثقافتی اور تاریخی نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو اس دور میں مسجدیں سادگی سے بنائی جاتی تھیں، گھر بھی بالعموم سادہ اور کچے بنائے جاتے تھے، کھجور کے پتوں اور شاخوں کو استعمال میں لایا جاتا، جب کہ خانہ کعبہ پتھروں سے بنا ہوا موجود تھا۔ وہ چاہتے تو مسجد نبوی ﷺ بھی پختہ بنا سکتے تھے مگر اس دور کے معاشرے کی ثقافت اور رسم رواج سادہ اور فطرت سے انتہائی قریب تھے۔ ابتدائی تہذیب کا زمانہ تھا۔ کپڑے بھی ایسے ہی تھے جیسے انہیں میسر تھے۔ کھانا پینا بھی ایسا

ہی تھا۔ یعنی ہر ایک عمل سادگی کا انداز لیے ہوئے تھا۔ ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، رہن سہن الغرض ہر چیز میں سادگی نمایاں طور پر جھلکتی نظر آتی تھی۔ تو جب ہر چیز میں یہ انداز واضح طور پر جھلکتا تھا تو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے میں بھی اُن کا اپنا انداز اس دور کے کلچر کی انفرادیت کا آئینہ دار تھا۔

۲۔ میلاد النبی ﷺ کے ثقافتی مظاہر

ہم یومِ پاکستان اور یومِ قائدِاعظم مناتے ہیں، اس موقع پر جلوس نکالتے ہیں۔ یہ ہمارے علاقائی رسم و رواج کا حصہ ہے، اسے شرعی نہیں بلکہ ثقافتی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف پر خوشی منانا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ مومن کا دل خوشی و انبساط سے لبریز ہوجائے، البتہ اس کے اظہار کے مختلف ثقافتی طریقے ہیں جن کا وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

(۱) میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلوس نکالنا ثقافت کا حصہ ہے

اگر یومِ پاکستان منانا ثقافتی نقطۂ نظر سے درست ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کا دن جو انسانی تاریخ کا اہم ترین دن ہے کیوں نہ منایا جائے؟ اگر یومِ آزادی پر توپوں کی سلامی دی جاتی ہے تو میلاد کے دن کیوں نہ دی جائے؟ اس طرح اور موقعوں پر چراغاں ہوتا ہے تو یومِ میلاد پر چراغاں کیوں نہ کیا جائے؟ اگر قومی تہوار پر قوم اپنی عزت و افتخار کو نمایاں کرتی ہے تو حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت کے دن وہ بہ طور اُمت اپنا جذبہ افتخار کیوں نمایاں نہ کرے؟ جس طرح ان ثقافتی مظاہر پر کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں اُسی طرح میلاد النبی ﷺ کے جلوس کے جواز پر بھی کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں۔ خوشی اور احتجاج دونوں موقعوں پر جلوس نکالنا بھی ہمارے کلچر کا حصہ بن گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد پر اگر ہم جلسہ وجلوس اور صلوٰۃ و سلام کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کا شرعی جواز دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ پوچھا جاتا ہے کہ عرب کیوں جلوس نہیں نکالتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے کلچر میں جلوس نہیں، جب کہ عجم کے کلچر میں ایسا ہے۔ متحدہ عرب امارات اور مصر وغیرہ میں لوگ میلاد مناتے ہیں لیکن جلوس نکالنا ان کے کلچر میں بھی نہیں، جب کہ ہمارے ہاں تو ہاکی کے میچ میں کامیابی پر بھی جلوس نکالنا خوشی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جیتنے والی ٹیموں اور الیکشن جیتنے والے اُمیدواران کا استقبال جلوس کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو عمل شریعت میں منع نہیں بلکہ مباح ہے اور ثقافتی ضرورت بن گیا ہے اور اس کا اصل مقصد حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی منانا ہے تو اس پر اعتراض کرنے کی کیا گنجائش اور ضرورت ہے؟

(۲) محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنا ثقافت کا حصہ ہے

برصغیر پاک و ہند میں لوگ محافل کے دوران میں کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں جب کہ اہلِ عرب کے ہاں اکثر بیٹھ کر صلوۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، لیکن مکہ مکرمہ میں اکثر لوگ قیام بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا اِس پر بلا جواز اعتراض کرنا اور اسے باعثِ نزاع بنانا کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ بحالتِ قیام صلوۃ و سلام کا اگرچہ شرعی جواز موجود ہے مگر اس کا دوسرا پہلو علاقائی اور ثقافتی ہے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے، کوئی کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہے، کوئی بیٹھ کر سلام پڑھتا ہے۔[۱]

(۳) میلاد النبی ﷺ پر آرائش و زیبائش ثقافت کا حصہ ہے

قرونِ اُولیٰ میں لوگوں کی طبیعت کے اندر نیکی اور خیر کے پہلو اتنے غالب ہوتے تھے کہ انہیں کسی اِہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ حکم ہی کافی تھا لیکن آج

(۱) محافل میلاد میں قیام کے موضوع پر مفصل گفتگو اِس موضوع پر ہماری ضخیم کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' کے آٹھویں باب ''جشنِ میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صورت حال بدل چکی ہے۔ حکم کے وہ اَثرات نہیں رہے اس لیے جامد طبیعتوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے کے لیے مسجدیں خوبصورت بنانے کا رُجحان زور پکڑ گیا ہے، جب کہ مساجد کی زیب و زینت کا قرآن و حدیث میں کہیں حکم نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے ہے کہ ظاہری اَسباب رغبت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔(۱)

’’اے اَولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو۔‘‘

اس پہلو کا تعلق اَحکامِ شریعت سے نہیں ثقافت سے ہے۔ داڑھی کے بال سنوارنا، سرمہ ڈالنا، سر میں تیل لگانا، اچھے کپڑے زیب تن کرنا اَعمالِ سنت ہیں، اور ظاہری رغبت دلانے والی چیزیں ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِن اَفعال کی ترغیب دلائی ہے۔ اِسی لیے فرمایا:

من أکل من هذه البقلة فلا يقربن مساجدنا، حتی يذهب ريحها يعنی الثوم۔(۲)

’’جو شخص اِس ترکاری (یعنی لہسن، پیاز) کو کھائے وہ ہماری مساجد میں نہ آئے یہاں تک کہ اِس کی بو (اُس کے منہ سے) ختم ہو جائے۔‘‘

کیا لہسن، پیاز کھانے والا کسی قبیح جرم کا مرتکب ہوگیا ہے کہ اسے مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ظاہری اَسباب کی بناء پر ہی فرمایا کہ اگر کوئی لہسن، پیاز کھا کر مسجد میں آئے گا تو مسجد میں بیٹھے لوگوں کی طبیعت میں اِنقباض پیدا

(۱) الأعراف، ۷: ۳۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهی من أکل ثوماً أو بصلاً أو کراثاً أو نحوهما، ۱: ۳۹۴، رقم: ۵۶۱

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأطعمة، باب فی أکل الثوم، ۳: ۱۶۰، ۱۶۱، رقم: ۳۸۲۴، ۳۸۲۵

ہوگا۔ جسمانی آرائش و زینت سے متعلقہ یہ اور اِس موضوع کی حامل دیگر احادیث ثابت کرتی ہیں کہ اسلام میں ظاہری اَسباب پیدا کیے جانے کو قرینِ حکمت اور قرینِ مصلحت سمجھا جاتا ہے۔

بدعت کی مبادیات اور جشنِ میلاد کے ثقافتی پہلوؤں کے بیان کے بعد اب ہم بدعت کا حقیقی تصور بیان کرتے ہیں:

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ’’مضمونِ بدعت کی احادیث‘‘ کا حقیقی اِطلاق کن کن بدعات پر ہوتا ہے:

۱۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ۔[۱]

’’جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اِس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔‘‘

۲۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب تعظیم حدیث رسول الله ﷺ، ۱: ۷، رقم: ۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردّ۔(۱)

’’جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اِس میں اَصلاً نہ ہوتو وہ مردود ہے۔‘‘

۳۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو ردٌّ۔(۲)

’’جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی اَمر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔‘‘

مغالطہ کا اِزالہ اور فَهُوَ رَدٌّ کا درست مفہوم

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں اَحْدَثَ، مَا لَيْسَ مِنْهُ اور مَا لَيْسَ فِيهِ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرف عام میں اَحْدَثَ کا معنی ’’دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا‘‘ ہے، اور مَا لَيْسَ مِنْهُ کے الفاظ اَحْدَثَ کا مفہوم واضح کر رہے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ایجاد کرنا ہے جو دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ اگر اَحْدَثَ سے مراد ’’دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا‘‘ ہے تو پھر مَا لَيْسَ مِنْهُ (جو اس میں سے نہ ہو) یا مَا لَيْسَ فِيهِ (جو اس میں اَصلاً نہ ہو) کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیونکہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب نقض الأحکام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، ۲۵۶، رقم: ۲۵۵۱۱، ۲۶۲۳۴

۳۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

اگر وہ چیز دین میں سے تھی یعنی اس دین کا حصہ تھی تو اسے نئی نہیں کہا جاسکتا کہ **محدثۃ** (نئی چیز) تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جو دین کا حصہ نہ ہو، جو نیا کام دین کے دائرے میں داخل ہو وہ مردود نہیں مقبول ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہوگی کہ **من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه / فیه فهو ردّ** میں **فهو ردّ** کا اطلاق نہ صرف **مَا لَیْسَ مِنْهُ** پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط **اَحْدَثَ** پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اس صورت پر ہوگا جہاں دونوں چیزیں (**اَحْدَثَ** اور **مَا لَیْسَ مِنْهُ / فِیهِ**) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور نہ دین کی کسی جہت کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی **محدثۃ** کے بدعت و ضلالت قرار پانے کے لیے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ یہ **محدثۃ** نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور اَحکامِ سنت کو توڑے۔

مذکورہ بالا تیسری حدیث شریف میں **لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا** سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو (مثلاً ایصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اَخلاقی اُمور) اگر اس پر قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہے۔ یہ مفہوم غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیوں کہ اگر یہ معنی مراد لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے پر قرآن و سنت کی نص نہ ہو وہ مردود اور حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات بھی قابلِ ردّ ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا اَحادیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہر نیا کام

مردود کے زمرہ نہیں آتا بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جس کی کوئی اَصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ - بالواسطہ یا بلا واسطہ - قرآن و سنت میں موجود نہ ہو اور اسے ضروریاتِ دین،[1] واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شریعت میں اِس طرح شمار کرلیا جائے کہ اسے ''اَساسیاتِ دین میں اِضافہ'' سمجھا جانے لگے یا اُس سے دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں اَصلاً کمی بیشی واقع ہوجائے۔ فرمانِ رسول ﷺ - کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ - سے بھی یہی بدعت مراد ہے، نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالۃ'' کہا جائے گا۔ یہی اِحداث فی الدین، اسلام کی مخالفت اور دین میں فتنہ تصور ہوگا۔

مذکورہ بالا بحث واضح کرتی ہے کہ جشن میلاد النبی ﷺ ہرگز کوئی ایسا اَمر نہیں ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو بلکہ یہ ایک ایسا مبنی بر خیر اور مستحسن عمل ہے جو سراسر شریعت کے منشاء و مقصود کے عین مطابق ہے۔

عہدِ نبوی میں اِحداث فی الدین سے مراد

گزشتہ صفحات میں ''بدعت'' اور ''اِحداث فی الدین'' (دین میں نئے کاموں کے آغاز) پر علمی و قیاسی گفتگو کی گئی کہ ہر وہ نیا کام جس پر دلیل شرعی موجود ہو شرعاً بدعت نہیں اگرچہ لغوی اعتبار سے وہ بدعت ہوگا۔ اب ان کی عملی و اِطلاقی صورت بیان کی جاتی ہے کہ وہ کون سے اُمور یا معاملات ہیں جن پر بدعات و محدثات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک قاعدہ اور ضابطہ متعین ہونا چاہیے کہ قیامت تک کے لیے اِسی قاعدہ اور کلیہ پر کسی بھی معاملہ کو پرکھ کر ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ بدعت ضلالہ اور اِحداث فی الدین ہے۔ ذیل میں ہم اِس حوالہ سے چند روایات نقل کریں گے:

۱۔ اِحداث فی الدین یعنی کفر و اِرتداد کے فتنوں کا آغاز حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

کے وصال کے فوری بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم، ثم لیختلجن دونی. فأقول: یا رب! أصحابی؟ فیقال: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک۔(۱)

’’میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا اور تم میں سے کچھ آدمی مجھ پر پیش کیے جائیں گے، پھر وہ مجھ سے جدا کر دیے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ اُنہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالیں (یعنی نئے فتنے بپا کیے)؟‘‘

۲۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: لا أُلْفَیَنَّ ما نوزِعْتُ أحداً منکم علي الحوض. فأقول: هذا من أصحابی. فیقال: إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک. قال أبو الدرداء: یا نبي اللہ! ادع اللہ أن لا یجعلني منهم. قال: لست منهم۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ، ۴: ۱۷۹۶، رقم: ۲۲۹۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۲۵، رقم: ۳۹۷

۲۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی ایک کو نہ پاؤں جس کو میرے پاس حوض پر آنے سے روک دیا جائے تو میں کہوں: یہ میرے لوگوں میں سے ہیں۔ تو کہا جائے: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔‘‘

اِس حدیث مبارکہ میں الفاظ - لست منهم (تم ان میں سے نہیں ہو) - سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم ﷺ فتنہ پروروں کو جانتے تھے، اِس لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے فرما دیا کہ وہ ان میں سے نہیں ہیں، دین میں بدعات کا آغاز کرنے والے اور لوگ ہیں۔

۳۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: إني ممسک بحجزكم هلمّ عن النار، وأنتم تهافتون فيها أو تقاحمون تقاحم الفراش في النار والجنادب يعني في النار، وأنا ممسک بحجزكم، وأنا فرط لكم على الحوض، فتردون علي معاً وأشتاتاً، فأعرفكم بسيماكم، وأسمائكم كما يعرف الرجل الفرس. وقال غيره: كما يعرف الرجل الغريبة من الإبل في إبله - فيؤخذ بكم ذات الشمال، فأقول: إليّ يا رب! أمتي أمتي. فيقول أو يقال: يا محمد! إنک لا تدري ما أحدثوا

۳۔ ابن أبی عاصم، السنة، ۲: ۳۵۷، رقم: ۷۶۷

۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۵۰، رقم: ۱۲۹

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹: ۳۶۷، ۱۰: ۳۶۵

بعدک، کانوا یمشون بعدک القهقری۔(۱)

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے روکنے والا ہوں اور تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر گرتے ہو۔ یا (فرمایا:) تم پروانوں اور ٹڈیوں کی طرح آگ میں گرتے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑنے والا ہوں اور میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا، پس تم میرے پاس اکیلے اور گروہ در گروہ آؤ گے تو میں تمہاری نشانیوں اور ناموں سے تمہیں ایسے پہچانتا ہوں گا جیسے آدمی اپنے گھوڑے کو پہچانتا ہے۔ (اور اس راوی کے علاوہ نے کہا:) جیسے ایک آدمی اجنبی اونٹ کو اپنے اونٹوں میں پہچان لیتا ہے۔ پس تمہیں بائیں طرف سے لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت! میری امت! تو وہ فرمائے گا یا کہا جائے گا: اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے؟ وہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پھر گئے تھے یعنی مرتد ہوگئے تھے۔''

اِسی مضمون کی اور بھی بہت سی اَحادیث وارد ہوئی ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد قریبی زمانہ میں ''اِحداث'' کا ذکر ہے اور اِحداث سے مراد دین میں ایسے بڑے فتنوں کا اِجراء لیا گیا ہے جو دین کو ہی بدل دیں۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ سے اس امر کی نشان دہی بھی ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں **محدثات الأمور** اِرتداد کے فتنوں کی شکل میں ظاہر ہوئے، ان کا ارتکاب کرنے والے وہ تھے

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۱: ۳۱۴، ۳۱۵، رقم: ۲۰۴

۲۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۱۷۵، رقم: ۱۱۳۰

۳۔ سدوسی، مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ۱: ۸۴

۴۔ منذری، الترغيب و الترهيب من الحديث الشريف، ۱: ۳۱۸، رقم: ۱۱٦۹

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۸۵

جنہوں نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اِسلام قبول کر لیا اور بعد میں مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ، جھوٹے مدعیانِ نبوت اور خوارج میں شامل ہوگئے۔ ہمارے اس موقف کی تائید حضور نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: تحشرون حفاة عراة غرلاً، ثم قرأ ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَo﴾[۱] فأول من يُكسى إبراهيم، ثم يؤخذ برجال من أصحابي ذات اليمين وذات الشمال. فأقول: أصحابي. فيقال: إنهم لم يزالوا مرتدّين على أعقابهم منذ فارقتهم. فأقول: كما قال العبد الصالح عيسى بن مريم: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌo إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo﴾[۲]۔ قال محمد بن يوسف: ذُكر عن أبي عبد الله، عن قبيصة، قال: هم المرتدون الذين ارتدّوا على عهد أبي بكر، فقاتلهم أبو بكر رضی اللہ عنہ۔[۳]

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۴

(۲) المائدة، ۵: ۱۱۷، ۱۱۸

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، باب قول الله: واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها، ۳: ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، رقم: ۳۲۶۳

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، باب قول الله: واتخذ الله إبراهيم خليلا، ۳: ۱۲۲۲، رقم: ۳۱۷۱

۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الحشر، ۴: ۶۱۵، رقم: ۲۴۲۳

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مختون حالت میں جمع کئے جاؤ گے۔ پھر آیت مبارکہ تلاوت کی: ﴿جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا، ہم (اس کے ختم ہو جانے کے بعد) اُسی عمل تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے۔ ہم (یہ اِعادہ) ضرور کرنے والے ہیںo﴾ پس سب سے پہلے اِبراہیم کو (خلعت) پہنائی جائے گی، پھر میرے لوگوں کو دائیں اور بائیں سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا: کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، بے شک وہ الٹے پاؤں دین سے پھر کر مرتد ہوگئے ہیں۔ تو میں کہوں گا: جیسا اللہ کے صالح بندہ عیسیٰ بن مریم نے کہا: ﴿اور میں اُن (کے عقائد و اَعمال) پر (اُس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہےo اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہےo﴾

’’محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سے ذکر کیا گیا، وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: یہ وہی مرتدین ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔‘‘

۵۔ حضرت اَسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما روایت کرتی ہیں:

قال النّبيّ ﷺ: إني علی الحوض حتی أنظر من یرد علي منکم، وسیؤخذ ناس دوني. فأقول: یا رب! مني ومن أمتي؟ فیقال: هل شعرت ما عملوا بعدک؟ واﷲ! ما برحوا یرجعون علی أعقابهم۔ فکان بن أبي ملیکة یقول: اللّٰهم! إنا نعوذ بک أن نرجع علی

أعقابنا أو نفتن عن ديننا۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں حوض پر ہوں گا یہاں تک کہ تم میں سے اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، اور عنقریب کچھ لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ مجھ سے اور میری امت سے ہیں؟ تو کہا جائے گا: آپ یقیناً جانتے تو ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اللہ کی قسم! وہ (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔

’’ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔‘‘

۶۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: أنا على الحوض أنظر من يرد علي، فيؤخذ ناس دوني. فأقول: يارب! مني ومن أمتي؟ فيقال: وما يدريک ما عملوا بعدک؟ ما برحوا بعدک يرجعون على أعقابهم۔(۲)

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حوضِ کوثر پر اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، تو کچھ لوگوں کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا: اے میرے

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الرقاق، باب في الحوض، ۵: ۲۴۰۹، رقم: ۶۲۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۴، رقم: ۱۵۱۶۱

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۰: ۳۶۴

رب! کیا یہ مجھ سے ہیں اور میرے امتی ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔''

مذکورہ بالا اَحادیث مبارکہ سے ہمارا موقف - کہ محدثات الامور سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد نمودار ہونے والے فتنے ہیں جو کہ ارتداد کی شکل میں ظاہر ہوئے - درج ذیل نکات سے مزید واضح ہوتا ہے:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ کے اگلے حصہ میں ہمارے موقف پر مرفوع متصل روایت موجود ہے کہ ''**إنهم لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم** (جونہی آپ ان سے جدا ہوئے وہ اپنی ایڑیوں کے بل دین سے پھر رہے ہیں)۔'' پس اِحداث کے مرتکب لوگوں کو حدیث میں صراحتاً مرتدین کہا گیا ہے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے آخر میں امام بخاری نے محدث قَبِیصہ بن عقبہ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے جو ہمارے موقف کا مؤید ہے:

هم المرتدّون الذين ارتدّوا على عهد أبي بكر، فقاتلهم أبو بكر رضی اللہ عنہ۔

''(ان سے مراد) وہ مرتدین ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔''

۳۔ امام بخاری نے ہی حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی روایت بیان کرنے کے بعد ابن ابی ملیکہ تابعی کا قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ فرمایا کرتے تھے:

اللّهم! إنا نعوذ بك أن نرجع على أعقابنا أو نفتن عن ديننا۔

''اے اللہ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے

ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔‘‘

۴۔ مذکورہ حدیث مبارکہ میں **ما برحوا یرجعون علی أعقابھم** (وہ (دین سے) اُلٹے پاؤں پھر گئے تھے)، یا **ما برحوا بعدک یرجعون علی أعقابھم** (وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے) سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔

۵۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔

امام طبرانی اپنی کتاب ’’مسند الشامیین (۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵)‘‘ میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فمات قبل عثمان بسنتین.

’’وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال سے دو سال قبل وفات پا گئے۔‘‘

اِس سے معلوم ہوا کہ اِحداث فی الدین سے مراد خلفائے راشدین کے دور میں وقوع پذیر ہونے والا فتنۂ اِرتداد تھا۔

۶۔ زیرِ نظر موقف کی وضاحت کرنے کے لیے ایک اور روایت نہایت ہی اہم ہے جسے امام حاکم نے ’’**المستدرک علی الصحیحین**‘‘ میں کبیر تابعین میں سے ایک تابعی حسین بن خارجہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فتنہ اولی کے بعد اپنا ایک خواب بیان کیا ہے جس میں وہ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے ان سے اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کے لیے کہا تو انہوں نے فرمایا:

إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک، أراقوا دماءھم وقتلوا

إمامھم۔[1]

''کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا محدثات (یعنی فتنے) بپا کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا ہے اور اپنے امام کو قتل کیا ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۲: ۱۷۲، رقم: ۱۹۷۹)'' اور ابن عبد البر نے ''التمھید لما فی الموطا من المعانی والأسانید (۱۹: ۲۲۲)'' میں اِمام حاکم کی بیان کردہ روایت میں مذکور ''الفتنۃ الأولی'' کے الفاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ مراد لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے فتنہ پرور لوگ ہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے۔ یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور انتہاء پسند لوگ تھے جو جنگِ صفین کے بعد خارجی گروہ پیدا کرنے کی بنیاد بنے۔

عہدِ خلفائے راشدین میں رُونما ہونے والے محدثات الامور

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد عہدِ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو بڑے بڑے ''محدثات'' (دین میں نئے فتنے) پیدا ہوئے - جن کو بدعات کہا گیا اور جن کے خلاف جہاد بالسیف کیا گیا - درج ذیل ہیں:

۱۔ فتنہ دعویٔ نبوت کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ ظاہر ہوا اور ان کا یہ دعویٔ نبوت ''احداث فی الدین'' تھا۔ اَسود بن عنزہ عنسی، طلیحہ اَسدی اور مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لشکر

(۱) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۴۹۹، رقم: ۸۳۹۴

روانہ کیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف جہاد کیا۔

۲۔ فتنہ اِرتداد کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سرزمین عرب میں اِحداث کی شکل میں ایک اور فتنہ رُونما ہوا جسے فتنۂ اِرتداد کہا جاتا ہے۔ عرب کے نومسلم قبائل اسلام سے پھر گئے اور دوبارہ اپنی پرانی روش پر چل نکلے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔ (۱)

۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عرب میں فتنہ اِرتداد پھیل جانے کے ساتھ ساتھ بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا اِرادہ کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ! لأقاتلن من فرّق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، واللہ! لو منعونی عناقاً كانوا يؤدّونها إلى رسول اللہ ﷺ، لقاتلتهم على منعها۔ (۲)

”اللہ کی قسم! میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے

---

(۱) طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۵۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب استتابة المرتدين، باب قتل من أبى قبول الفرائض، ۶: ۲۵۳۸، رقم: ۶۵۲۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا اللہ محمد رسول اللہ، ۱: ۵۱، رقم: ۲۰

درمیان فرق کیا، کیوں کہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ادا کرتے تھے تو اس انکار پر بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا۔‘‘

لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان عرب قبائل کی طرف روانہ کیا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔

۴۔ فتنۂ خوارج کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

فتنۂ خوارج کی اِبتداء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ جب صفین کے مقام پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی روز تک لڑائی جاری رہی، جس کے نتیجے میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین شہید ہوئے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین میں سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔

پھر اَشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لے کر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروہ بن اَدَیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروہ نے کہا:

تحكّمون في أمر الله عزّوجلّ الرجال؟ لاحكم إلا لله۔(۱)

’’تم اللہ کے اَمر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۰۴

۲۔ ابن أثير، الكامل في التاريخ، ۳: ۱۹۶

۳۔ ابن جوزی، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۵: ۱۲۳

اس نے یہ کہہ کر اشعث بن قیس کی سواری کے جانور کو تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے۔ اس پر آپ کے قبیلہ والے اور ان کے لوگ جمع ہو گئے اور جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الله أكبر! كلمة حق يراد بها باطل، إن سكتوا عممناهم، وإن تكلموا حَجَجْناهم، وإن خرجوا علينا قاتلناهم۔(1)

’’اللہ ہی بڑا ہے۔ بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔‘‘

خوارج نے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور لوگوں کو پہاڑوں پر چلے جانے یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعتِ ضلالہ تک کہا گیا۔ آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ’’**الحُکمُ للّٰہ**‘‘ کے اِجراء کے لیے نہروان کا مقام چنا اور سب وہاں جمع ہو گئے۔ نہروان کے مقام پر ان خارجیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے درمیان لڑائی کا آغاز اُس وقت ہوا جب اُنہوں نے صحابی حضرت عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دونكم القوم.

’’اس قوم کو لو (یعنی قتل کرو)۔‘‘

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۳: ۱۱۴
۲۔ ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳

فقتلت بکفی هذه بعد ما دخلني ما كان دخلني ثمانية قبل أن أصلي الظهر، وما قتل منا عشرة ولا نجا منهم عشرة۔(1)

”میں نے نمازِ ظہر ادا کرنے سے قبل اپنے ہاتھوں سے آٹھ خوارج کو قتل کیا اور ہم میں سے دس شہید نہ ہوئے اور ان میں سے دس زندہ نہ بچے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یوں فتنہ خوارج اپنے انجام کو پہنچا۔

یہی وہ فتنے تھے جن کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع میں اِشارہ فرمایا، جو آپ ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد نمودار ہوئے اور جنہیں محدثات الامور کا نام دیا گیا۔ لہٰذا صحیح روایات کے مطابق یہ چار طبقات (مدعیانِ نبوت، مرتدینِ اِسلام، منکرینِ زکوۃ، خوارج) محدثات کے مرتکب تھے اور احادیث نے ”اِحداث“ کے معنی کو ”اِرتداد“ کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ پس اِحداث کا معنی اِرتداد ہوگا اور یہی بدعتِ ضلالت و بدعتِ سیئہ اور داخلِ دوزخ شمار ہوگی۔

آج ’محدثات الامور‘ کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

حضور نبی اکرم ﷺ نے بدعت کو ”محدثات الامور“ سے تعبیر کیا اور اس کا معنی خود اپنے ارشاد سے متعین فرمایا۔ وہ ایسے فتنے ہیں جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کر دیں یا ان کا انکار کر دیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ”خروج عن الإسلام“ اور ”اِرتداد“ کا باعث بنے، آپ ﷺ کی سنت اور اَمرِ دین کو کاٹے اور ”اِختلافِ کثیر“ بن کر اُمت میں ظاہر ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور حیات بعد اَز

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۴: ۲۲۷

موت) میں سے کسی کا انکار کرے، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار کرے، اَرکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کے انکار، تحریفِ قرآن (متنِ قرآن میں کمی یا زیادتی) کا مرتکب ہو، سنت کا انکار کرے، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد رکھے، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز وغیرھم کا عقیدہ گھڑ لے تو ان فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالہ کہیں گے اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا بعد کے مختلف اَدوار میں پیدا ہوں گی۔ اگر ایسی صورت نہیں ہے تو اس پر بدعتِ ضلالہ کا اِطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی اَمر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعتِ ضلالہ میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصالِ ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''محدثات الأمور'' نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ ان سے خروج عن الإسلام لازم نہیں آتا اور نہ اِرتداد ہوتا ہے بلکہ یہ اَصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جب کہ ''محدثات الأمور'' ان فتنوں کو کہا گیا ہے جن کی وجہ سے اُمت میں اِختلافِ کثیر پیدا ہوا، امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصالِ ثواب وغیرہ کو محدثات الامور اور بدعاتِ ضلالہ قرار دیا ہے۔ ان کو دین میں بدعت قرار دینا آپ ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ لیس علیه أمرنا کا بھی یہی معنی ہے، یہ دَرحقیقت دین کے اندر مستحب اور مستحسن اُمور ہیں۔ فقہاء کے درمیان ہزاروں اختلافات ہیں، کئی مسائل میں مستحب و مکروہ حتی کہ حلت و حرمت کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اُمورِ مستحبات کو بدعات کہنا، حضور نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعریف کی روشنی میں گویا ارتداد اور کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کے

مترادف ہے اور مرتدین کے خلاف قتال کرنا جہاد ہے۔ کیا جشنِ میلاد النبی ﷺ پر بدعتِ ضلالہ کا فتویٰ لگانے والے میلاد منانے والوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟

جس طرح عہدِ صحابہ میں تدوینِ قرآن، باجماعت نمازِ تراویح اور جمعہ کے دن دو اذانوں جیسے اُمور کو جاری کرنے کا مقصد اُمتِ مسلمہ کی بھلائی تھا، ایسے ہی میلاد النبی ﷺ منانا تاجدارِ کائنات حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ٹوٹے ہوئے قلبی اور حبی تعلق کو برقرار رکھنے اور دلوں میں آپ ﷺ کی اِطاعت و اِتباع کا جذبہ بیدار کرنے کا قوی اور مستحکم ذریعہ ہے۔ اور ایصالِ ثواب جیسے اُمور متوفیانِ اِسلام کی بلندیٔ درجات اور گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

تصورِ بدعت آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

گزشتہ بحث میں ہم نے بدعت کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ لغوی اعتبار سے بدعت نئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثات الامور و اِحداث فی الدین کا تعلق فتنہ اِرتداد یا خروج عن الاسلام کی سطح کے فتنوں کے ساتھ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ بدعت کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لیے ہم یہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عمل مختصراً بیان کریں گے، کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد اُمت کے لیے اِن صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کا عمل سب سے زیادہ معتبر ہے، اور آقا ﷺ نے فتنوں کے قلع قمع کے لیے اپنی اور اپنے بعد آنے والے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعوے دار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حافظِ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ قبل

ازیں حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ اقدس سے اب تک قرآنِ حکیم کے ایک جلد میں جمع کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا تھا بلکہ متفرق مقامات پر مختلف صورتوں میں لکھا ہوا موجود تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلہ جہاد و قتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ اِس خدشہ کے پیش نظر اُنہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تجویز دی کہ قرآن حکیم ایک کتابی صورت میں جمع کرلیا جائے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كيف أفعل شيئا ما لم يفعله رسول الله ﷺ؟

’’میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ’’هو والله خير‘‘ اللہ کی قسم! بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے۔ لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔ اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھل گیا اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس عظیم کام پر مامور کیے گئے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کردیا اور اس طرح تیار کیے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے بعد میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے منگوا کر قرآنِ حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یک جا کر دیا۔ (۱)

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله: لقد جاءكم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة توبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

اس طرح تاریخِ اسلام میں پہلی بدعتِ حسنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتداء

جمع و تدوینِ قرآن کی طرح یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح باجماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خدشہ سے آپ ﷺ نمازِ تراویح گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، انہوں نے یہ اِجتہاد فرمایا اور سب کو حافظِ قرآن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه، والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون۔(۱)

’’یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں اُس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، الموطأ، ۱: ۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

حصہ سے بہتر ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کی وضاحت کرتے ہوئے عبد الرحمان بن عبد القاری تابعی بیان کرتے ہیں:

يريد آخر الليل، وکان الناس يقومون أوّله۔

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد رات کا آخری حصہ تھا جب کہ لوگ پہلے حصہ میں قیام کرتے تھے۔‘‘(۱)

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود **نعم البدعة هذه** فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعتِ سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں۔ اور بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔

---

(۱) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رات کے آخری حصہ میں کی جانے والی عبادت زیادہ فضیلت رکھتی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِبتدائی حصہ میں قیام کیوں شروع کروایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) ’’فتح الباری (۴: ۲۵۳)‘‘ میں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا تصريح منه بأن الصلاة في آخر الليل أفضل من أوله، لکن ليس فيه أن الصلاة في قيام الليل فرادی أفضل من التجميع.

’’اِس میں صراحت ہے کہ رات کے پچھلے پہر کی نماز پہلے پہر کی نماز سے اَفضل ہے، تاہم اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا نماز پڑھنا باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔‘‘

پس اِس سے واضح ہوگیا کہ اگرچہ آخرِ شب پڑھی جانے والی نماز فضیلت کی حامل ہے لیکن باجماعت ادا کی جانے والی نمازِ تراویح جو رات کے اِبتدائی حصہ میں ادا کی جاتی ہیں، زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اذان

نماز جمعہ سے پہلے مساجد میں دوسری اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس کا آغاز عہدِ عثمانی میں ہوا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أن التأذين الثانی يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔[1]

''جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ یہ ترتیب میں پہلی اَذان ہے۔) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔''

لہٰذا جس طرح خیر القرون میں بھی تدوینِ قرآن حکیم کے موقع پر اَجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھا تھا کہ جو کام حضور نبی اکرم ﷺ نے نہیں کیا وہ کیسے کرسکتے ہیں، اُسی طرح آج کے دور میں بھی جشنِ میلاد النبی ﷺ اور اس جیسے دیگر اُمورِ خیر کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ جائز ہیں جب کہ اَوائل دورِ اِسلام میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور جس طرح صحابہ کرام کو اِنشراحِ صدر ہوا اور اُنہوں نے بھلائی کے ان نئے کاموں کو اپنایا اُسی طرح ہم نے محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد النبی ﷺ کو اَمرِ خیر اور باعثِ برکت ہونے کے اپنایا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

اِس ضمن میں چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات سے پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ اِسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہو، لیکن اِس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے ادارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اِختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق شریعت میں صریح اَحکامات نہیں ملتے۔ ہر مسلمان ریاست نے اپنی صواب دید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھا اپنا لیا۔

۲۔ تعمیرِ مساجد کا مسئلہ

اَوائلِ اسلام میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا، لہٰذا مسجد کو بھی اَز رُوئے شرع پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ پھر ایک وقت آیا جب اسلامی سلطنت کی حدیں شرق تا غرب تک پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لیے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیے۔ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دورِ حکومت اور مابعد اِسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کیے تو علماء نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مساجد کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز کہا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیشِ نظر ضروری قرار دیا۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت اب سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ ننگ و عار نہ تھا۔ لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی

وجاہت اور ظاہری رعب و دبدبہ کے پیشِ نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (إلا ما شاء اللہ) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے اَحکام کو پرکھا جائے تو دین کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر

قرآن حکیم کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت میں پیش پیش رہا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تو یہاں کے ظاہر بین علماء نے بہت واویلا کیا، کفر و بدعت کے فتاویٰ صادر کیے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغِ دین تھی، جب کہ فتویٰ لگانے والے اُس وقت اس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

اَئمہ و محدثین کی بیان کردہ اَقسامِ بدعت

دین کے متذکرہ پہلوؤں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہی اَئمہ و محدثین نے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ اِمام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)

شافعی فقہ کے بانی امام شافعیؒ بدعت کی تقسیم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المحدثات من الأمور ضربان: ما أحدث يخالف كتاباً أو سنة أو أثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، وما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا، فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قيام رمضان: نعمت البدعة هذه۔[1]

’’محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت، آثارِ صحابہ یا اِجماعِ اُمت کے خلاف ہوں۔ پس یہ بدعتِ ضلالہ ہیں۔ اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی کے لیے اَنجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ پس یہ نئے اُمور ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ اِسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔‘‘

۲۔ شیخ عز الدین بن عبد السلام (۵۷۷۔۶۶۰ھ)

شیخ عز الدین بن عبد السلام سلمی اپنی کتاب ’’قواعدالأحکام فی مصالح الأنام‘‘ میں فرماتے ہیں:

البدعة فعل ما لم يعهد في عهد النبي ﷺ، وتنقسم إلى خمسة أحكام يعني الوجوب والندب ...... الخ. وطريق معرفة ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشرع فأي حكم دخلت فيه فهي منه، فمن البدع الواجبة تعلم النحو الذي يفهم به القرآن والسنة، ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدرية، ومن البدع المندوبة

(۱) ۱۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۰: ۷۰
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۲
۳۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۲، ۵۳

إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراويح، ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة، ومن البدع المكروهة زَخرفة المساجد والمصاحف أى بغير الذهب۔(1)

’’بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اَحکام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب وغیرہ۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعدِ شرعیہ پر پرکھا جائے گا۔ پس وہ جو حکم شرعی پر پورا اترے گا اسی قسم میں سے ہوگا۔ پس نحو کا علم سیکھنا جس سے قرآن اور سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بدعتِ واجبہ میں سے ہے۔ اور قدریہ جیسے نئے مذہب بنانا بدعتِ محرمہ میں سے ہے۔ اور مدارس بنانا اور نمازِ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعتِ مندوبہ میں سے ہے۔ اور نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ میں سے ہے۔ اور سونا اِستعمال کیے بغیر مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ میں سے ہے۔‘‘

۳۔ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ)

ملا علی قاری حنفی ’’مشکوٰۃ المصابیح‘‘ کی شرح ’’مرقاۃ المفاتیح‘‘ میں لکھتے ہیں:

قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام فى آخر كتاب القواعد: البدعة: أما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله ورسوله وكتدوين أصول الفقه والكلام فى الجرح والتعديل. وأما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية والمرجئة والمجسمة. والرد على هؤلاء من البدع الواجبة لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية.

(۱) ابن حجر ہیتمی، الفتاوى الحديثية: ۲۰۳

وأما مندوبة كإحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول وكالتراويح أي بالجماعة العامة والكلام في دقائق الصوفية. وأما مكروهة كزخرفة المساجد وتزوين المصاحف يعني عند الشافعية، وأما عند الحنفية فمباح. وأما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر أي عند الشافعية أيضًا وإلا فعند الحنفية مكروه، والتوسّع في لذائذ المأكل والمشارب والمساكن وتوسيع الأكمام۔[1]

’’شیخ عز الدین بن عبد السلام ’’القواعد‘‘ کے آخر میں بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اُصولِ فقہ کی تدوین کرنا اور علم جرح و تعدیل کا حاصل کرنا بدعتِ واجبہ ہے، جب کہ بدعتِ محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا ردّ بدعتِ واجبہ سے کیا جائے گا کیوں کہ اِسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ جب کہ سرائیں اور مدارس کا قیام اور ہر قسم کی نیکی کے فروغ کے کام جو اِسلام کے اِبتدائی دور میں نہ تھے جیسے با جماعت نمازِ تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات و رموز پر گفتگو کرنا بدعتِ مندوبہ میں شامل ہیں۔ شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ ہے، جب کہ اَحناف کے ہاں یہ اَمر مباح ہیں۔ اور شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ ہے، جب کہ اَحناف کے نزدیک یہ اَمر مکروہ ہیں؛ اور اِسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں کو وسیع کرنا (جیسے اُمور بھی بدعتِ مباحہ میں شامل) ہیں۔‘‘

(۱) ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ۱: ۲۱۶

کلّ بدعة ضلالة کا صحیح مفہوم

ملا علی قاری کل بدعة ضلالة کا صحیح مفہوم واضح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

أی کل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه الصلاة والسلام: من سنّ فی الإسلام سنّة حسنة فله أجرها وأجرمن عمل بها" وجمع أبوبکر وعمر القرآن وکتبه زيد فی المصحف وجدد فی عهد عثمان رضی الله عنه۔(۱)

''یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے: ''جس نے اِسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اُسے اُس عمل کا اور اُس پر عمل کرنے والے کا اَجر ملے گا۔'' اور یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اِسے صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اِس کی تجدید کی گئی۔''

۲۔ ابن حجر مکی بدعت کی اَقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی الحديث: کل بدعة ضلالة، وکل ضلالة فی النار. وهو محمول علی المحرّمة لا غير۔(۲)

''اور جو حدیث میں ہے کہ ''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی'' اس حدیث کو بدعتِ محرّمہ پر محمول کیا گیا ہے، اِس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔''

(۱) ۱۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح شرح مشکاة المصابيح، ۱: ۲۱۶
۲۔ شبیر احمد دیوبندی، فتح الملهم بشرح صحيح مسلم، ۲: ۴۰۶
(۲) ابن حجر هيتمی، الفتاوی الحديثية: ۲۰۳

بدعت کی اس تقسیم کے بعد معلوم ہوا کہ اگر بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر مستقبحات کے تحت آجائے (یعنی مخالف دلیل ہو) تو بدعتِ سیۂ ہے اور اگر ان دونوں میں نہ آئے تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

تقسیمِ بدعت

مذکورہ بالا تعریفاتِ بدعت کی روشنی میں ہم ذیل میں خلاصتاً محدثین و ائمہ کی بیان کردہ بدعت کی تقسیم بیان کریں گے۔ بنیادی طور پر بدعت کی دو اَقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ حسنہ

۲۔ بدعتِ سیۂ

ان میں سے ہر ایک کی پھر مزید اقسام ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ بدعتِ حسنہ کی اَقسام

بدعتِ حسنہ کی مزید تین اَقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ واجبہ

۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

۳۔ بدعتِ مباحہ

(۱) بدعتِ واجبہ

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اِس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اِسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے قرآنی آیات پر اعراب، فہمِ دین کے لیے صرف و نحو کی درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصولِ حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر علومِ عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اِہتمام، دینی مدارس کا قیام، درسِ نظامی کے

نصابات اور ان کی اِصطلاحات سب ''بدعتِ واجبہ'' ہیں۔

(۲) بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

جو کام اپنی ہیئت اور اَصل میں نیا ہو لیکن شرعاً ممنوع ہو نہ واجب کی طرح ضروری ہو بلکہ عام مسلمان اسے مستحسن اَمر سمجھتے ہوئے ثواب کی نیت سے کریں تو اس کے نہ کرنے والا گناہ گار بھی نہیں ہوتا لیکن کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، جیسے مسافر خانوں اور مدارس کی تعمیر وغیرہ۔ ہر وہ اچھی بات جو پہلے نہیں تھی اس کا ایجاد کرنا بھی بدعتِ مستحبہ ہے، جیسے نمازِ تراویح کی جماعت، تصوف و طریقت کے باریک مسائل کا بیان، محافلِ میلاد، محافلِ عرس وغیرہ جنہیں عام مسلمان ثواب کی خاطر منعقد کرتے ہیں اور ان میں شرکت نہ کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فما رآه المؤمن حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المؤمنون قبيحاً فهو عند الله قبيح۔[1]

''جس کو (بالعموم) مومن اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مومن برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔''

---

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۵: ۲۱۲، ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طيالسی، المسند، ۱: ۳۳، رقم: ۲۴۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۴۔ حاكم، المستدرك علی الصحيحين، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۱: ۱۷۷، ۱۷۸)'' میں کہا ہے کہ اِسے احمد، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اِس کے رجال موثّق (ورجاله موثقون) ہیں۔
۶۔ عجلونی نے ''كشف الخفاء ومزيل الإلباس (۲: ۲۴۵، رقم: ۲۲۱۴)'' میں کہا ہے کہ یہ روایت موقوف حسن ہے۔

اِس تعریف کی رُو سے جشنِ میلاد النبی ﷺ بدعتِ مستحسنہ ہے، جسے مومن ثواب کی نیت سے کرتے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہے کیوں کہ اِسے جمہور مسلمان (سوادِ اَعظم) مناتے ہیں۔

(۳) بدعتِ مباحہ

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اِختیار کرلیں۔ فقہاء نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور عمدہ عمدہ جدید کھانے اور مشروبات کے استعمال کو ''بدعتِ مباحہ'' کہا ہے۔

۲۔ بدعتِ سیۂ کی اقسام

بدعتِ سیۂ کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ بدعتِ محرّمہ

۲۔ بدعتِ مکروہہ

(ا) بدعتِ محرّمہ

وہ نیا کام جس سے دین میں تضاد، اِختلاف اور اِنتشار واقع ہو مثلاً قدریہ، جبریہ، مرجۂ اور مرزائی و قادیانی وغیرہ جیسے نئے مذاہب کا وجود میں آنا۔ اِسے بدعتِ ضلالہ بھی کہتے ہیں۔ اِن مذاہبِ باطلہ کی مخالفت بدعتِ واجبہ کا درجہ رکھتی ہے۔

(۲) بدعتِ مکروہہ

جس نئے کام سے سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ چھوٹ جائے وہ بدعتِ مکروہہ ہے۔ اِس میں علماء متقدمین نے مساجد کی بلاضرورت فخریہ آرائش وتزئین وغیرہ کو شامل کیا ہے۔

تقسیمِ بدعت پر متنِ حدیث سے اِستشہاد

بدعت کے مذکورہ تصوّر اور تقسیم کی مزید وضاحت کے لیے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ نہایت اہم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من سنّ فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده، من غير أن ينقص من أجورهم شيء. ومن سن فی الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير أن ينقص من أوزارهم شيء۔(۱)

’’جو شخص اِسلام میں کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے تو اس کے لئے اس کے اپنے اَعمال کا بھی ثواب ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا ثواب بھی ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس نے اِسلام میں کسی بری بات کی اِبتدا کی تو اُس پر اُس کے اپنے عمل کا بھی گناہ ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا بھی گناہ ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے گناہ میں کچھ کمی ہو۔‘‘

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، ۲: ۷۰۴، ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلی هدی أو ضلالة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الزكاة، باب التحريض علی الصدقة، ۵: ۷۶، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ۱: ۷۴، ۷۵، رقم: ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۰۷

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

اس حدیث میں لفظ ''سنّ'' لغوی معنی کے اِعتبار سے ''ابدع'' کے ہم معنی ہے یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھی (نئی) راہ نکالی۔ یہاں سے ''بدعتِ حسنہ'' کا تصور ابھرتا ہے۔ اِسی طرح ''من سنّ فی الإسلام سنة سيئة'' سے بدعتِ سیئہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو صرف ''سنت'' ہی مراد ہے بدعت مراد نہیں لی جا سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اگر اس سے مراد صرف ''سنت'' ہی ہوتا تو کیا وہاں ''حسنہ'' کہنے کی ضرورت تھی؟ کیا کوئی سنت غیر حسنہ بھی ہو سکتی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے حوالے سے ''مَنْ عَمِلَ'' تو کہہ سکتے ہیں مگر ''من سنَّ'' کہنے کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ حضور ﷺ کی سنت سے ایک اُمتی کیا ''راہ'' نکالے گا؟ وہ تو صرف عمل اور اِتباع کا پابند ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ''سَنَّ'' سے مراد معروف معنوں میں سنت نہیں ہے بلکہ یہاں لغوی معنی یعنی راستہ اور نئی راہ نکالنا مراد ہے۔

بدعت کی مندرجہ بالا اَقسام اور تفصیلات متعدد ائمہ حدیث اور فقہاء نے اپنے اپنے انداز میں اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ تفصیلات ہماری کتاب ''کتاب البدعۃ'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل کو اِس ڈھب پر نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لیے عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضروریات اور تقاضوں پر۔ کبھی اس کام میں کئی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئی مصلحتیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اس کی کوئی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے؟ یا پھر وہ کام اس لیے بھی قابل مذمت ٹھہرتا ہے کہ اس سے کسی واجب، سنت یا مستحب پر زد پڑتی ہے۔

اگر کسی نئے عمل کی اصل قرآن حکیم یا سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن وتشنیع اور گمراہی یا گناہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بہ فرضِ محال قرآن وسنت سے

بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن وسنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع درست ہے۔ البتہ صرف اس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابلِ مذمت ٹھہرے گی جب وہ قرآن وسنت کی کسی نص یا شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو یا دین کے عمومی مزاج اور اُس کی روح کے منافی ہو۔

قرآن وحدیث میں جشنِ میلاد کی اَصل موجود ہے

اَصلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا اِحسانِ عظیم تصور کرتے ہوئے اِس کے حصول پر خوشی منانا اور اسے باعث مسرت و فرحت جان کر تحدیثِ نعمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بہ طور عید منانا مستحسن اور قابلِ تقلید عمل ہے۔ مزید برآں یہ خوشی منانا نہ صرف سنتِ اِلٰہیہ ہے بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی سنت بھی قرار پاتا ہے، صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے اور اِس پر مؤید سابقہ امتوں کے عمل کی گواہی بھی قرآن حکیم نے صراحتاً فراہم کر دی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس کے جواز اور عدم جواز کو بحث و مناظرہ کا موضوع بنائے اور اس کو ناجائز، حرام اور قابلِ مذمت کہے تو اسے ہٹ دھرمی اور لاعلمی کے سوا اور کیا کہا جائے گا![1]

جمہور اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی

شریعت مطہرہ نے بہت سے معاملات کی تہ میں کارفرما اَساسی تصورات اور اُصول بیان کر دیے ہیں لیکن ان کی تفصیل اور ہیئت کا اِنحصار اُمتِ مسلمہ کے علماء اور اَکابر پر چھوڑ دیا کہ اُمت کے علماء حق اور ائمہ دین کی اکثریت جس اَمر پر متفق ہو جائے، گزشتہ صفحات میں دیے گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول قول کے مطابق

(۱) قرآن و حدیث سے مفصل دلائل جاننے کے لیے ہماری ضخیم کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

بالکل درست اور قرآن و سنت کے تابع ہے۔ اِس کی تائید مرفوع صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق فی الحقیقت اُمت کی اکثریت یعنی سوادِ اَعظم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا، گمراہ ہمیشہ اَقلیت (سوادِ اَعظم سے الگ ہونے والی جماعت) ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً جو چھوٹی چھوٹی تحریکیں اور جماعتیں بنتی رہتی ہیں، جن کے عقائد و نظریات امت کی بھاری اکثریت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوتے ہیں اور جو اُمت کے سوادِ اَعظم کو گمراہ، کافر، مشرک، جاہل اور بدعتی کہتی ہیں دراصل خود گمراہ ہوتی ہیں۔ اِسی لیے فتنہ و فساد اور تفرقہ و انتشار کے دور میں اُمت کو سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کا دامن پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن أمتی لا تجتمع علی ضلالة، فإذا رأیتم اختلافا، فعلیکم بالسواد الأعظم۔ (۱)

’’بے شک میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ پس اگر تم اِن میں اِختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سب سے بڑی جماعت کو اِختیار کرو۔‘‘ (۲)

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کی تفرقہ پروری کی پیشین گوئی کرتے ہوئے سوادِ اَعظم (اُمت کی اکثریتی جماعت) کے سوا تمام گروہوں اور جماعتوں کے جہنمی

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ۲: ۱۳۰۳، رقم: ۳۹۵۰
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة: ۴۱، رقم: ۸۴
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲، ۴۴۷، رقم: ۱۳۶۲۳
۴۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۴۱۱، رقم: ۱۶۶۲

(۲) امام جلال الدین سیوطی نے ’’حاشیة سنن ابن ماجه (ص: ۲۸۳)‘‘ میں سوادِ اَعظم سے طبقۂ اہلِ سنت مراد لیا ہے اور یہی حدیث کا مدّعا ہے۔

ہونے کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تفرقت بنو إسرائيل على إحدى وسبعين فرقة، وتفرقت النصارى على اثنتين وسبعين فرقة، وأمتي تزيد عليهم فرقة، كلها في النار إلا السواد الأعظم۔(۱)

''بنی اسرائیل اِکہتر (۷۱) فرقوں میں تقسیم ہوئے اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے، جب کہ میری اُمت ان پر ایک فرقہ کا اضافہ کرے گی۔ وہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے سوائے سوادِ اَعظم (اُمت کے اکثریتی طبقہ) کے۔''

۳۔ سوادِ اعظم کی اَہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إثنان خير من واحد، وثلاثة خير من اثنين، وأربعة خير من ثلاثة، فعليكم بالجماعة، فإن الله لن يجمع أمتي إلا على هدى۔(۲)

''دو (شخص) ایک سے بہتر ہیں، اور تین (اَشخاص) دو سے بہتر ہیں، اور چار (اَشخاص) تین سے بہتر ہیں۔ پس تم پر لازم ہے کہ (اَکثریتی) جماعت کے ساتھ رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی بھی ہدایت کے سوا کسی شے پر اِکٹھا

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۱۷۶، رقم: ۷۲۰۲
۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۵۴، رقم: ۳۷۸۹۲
۳۔ حارث، المسند، ۲: ۷۱۶، رقم: ۷۰۶
۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۸۸
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۷: ۲۵۸

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۴۵، رقم: ۲۱۳۳۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱: ۱۷۷
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۵: ۲۱۸

نہیں کرے گا۔‘‘

۴۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے لفظ - **الجماعة** - سے مراد اُمت کا اَکثریتی طبقہ ہے۔ اِس کی وضاحت حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود **الجماعة** سے سوادِ اَعظم مراد لیتے ہوئے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده! لتفترقن أمتی علی ثلاث وسبعین فرقة، واحدة فی الجنة وثنتان وسبعون فی النار. قیل: یارسول اللہ! من هم؟ قال: الجماعة۔

’’اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! میری اُمت ضرور تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور بہتر (۷۲) جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! من هم؟

’’یارسول اللہ! وہ جنتی گروہ کون ہے؟‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

الجماعة۔(۱)

’’وہ (اُمت میں سب سے بڑی) جماعت ہے۔‘‘

۵۔ درج ذیل حدیث شریف میں ’’جماعت‘‘ سے مراد اُمت کی سب سے بڑی

(۱) ۱۔ ابن ماجه، کتاب الفتن، باب افتراق الأمم، ۲: ۱۳۲۲، رقم: ۳۹۹۲
۲۔ لالکائی، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱: ۱۰۱، رقم: ۱۴۹

جماعت اور اُس پر محافظت ہونا صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يجمع الله هذه الأمة على الضلالة أبدا، يد الله على الجماعة، فاتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ شذ فی النار۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ اِس اُمت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کی حفاظت کا ہاتھ (سب سے بڑی) جماعت پر ہے، پس تم سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کی اِتباع کرو کیوں کہ جو اِس سے جدا ہوا یقیناً وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔‘‘

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله لا يجمع أمتی (أو قال: أمة محمد ﷺ) على ضلالة، ويد الله مع الجماعة، ومن شذ شذ إلى النار۔(۲)

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۹۹۔۲۰۱، رقم: ۳۹۱۔۳۹۷

۲۔ ابن أبي عاصم، كتاب السنة، ۱: ۳۹، رقم: ۸۰

۳۔ لالكائی، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۱۰۶، رقم: ۱۵۴

۴۔ ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۲۵۸، رقم: ۸۱۱۶

۵۔ حكيم ترمذی، نوادر الأصول فی أحاديث الرسول ﷺ، ۱: ۴۲۲

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۴۶۶، رقم: ۲۱۶۷

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۲۰۰، رقم: ۳۹۴

۳۔ دانی، السنن الوارده فی الفتن، ۳: ۷۴۸، رقم: ۳۶۸

’’اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا (یا فرمایا: اُمتِ محمدیہ ﷺ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا)۔ اور جماعت پر اللہ (تعالیٰ کی حفاظت) کا ہاتھ ہے، اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ کی طرف جدا ہوا۔‘‘

اِس تصور کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسلمانوں کے اَکثریتی طبقہ میں کوئی خرابی یا بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ اَمرِ واقع ہے کہ بگاڑ اور خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمیشہ پیغمبرانہ تعلیمات کے مطابق اَکثریتی طبقہ کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے یعنی سوادِ اَعظم سے منسلک رہتے ہوئے ہی اُمت کی اصلاح کی جد و جہد کرنی چاہیے۔ اہلِ ایمان سوادِ اَعظم کو گمراہ قرار دیتے ہوئے اِس سے خارج ہو کر اپنے لیے نئی راہ بنانا ہی دَرحقیقت گمراہی اور منافقت ہے، اور اسی سے حضور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یومِ میلاد النبی ﷺ منانا بھی اُن بعض اُمور میں سے ایک ہے جن پر اِس وقت جمہور اُمت جواز کے شرعی دلائل کی روشنی میں عامل ہے۔ آج اگر کوئی اُمت کے اِس اکثریتی طبقہ کو گمراہ کہتا ہے تو درحقیقت وہ خود ہی گمراہ ہے اور دوزخ کی راہ پر گامزن ہے۔

دین کی اَصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

یہ ایک اَلمیہ ہے کہ اِسلام کے حاملین ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و ایمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اَصل روح اور کارفرما حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ فہمِ دین کی بجائے لفظوں کی ہیر پھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ (إلا ما شاء اللہ) کہیں تو ذاتی مفادات کے پیشِ نظر اور کہیں نادانی کی بناء پر مذہبی ذمہ داروں نے لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل اور بالخصوص نیا تعلیم یافتہ طبقہ جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اِستعماری ذہنیت و فکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے دین کے اصول و قوانین اور شریعتِ

اِسلامیہ کے دلکش پہلو پیشِ نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اِسلام کے سنہری اُصولوں پر عمل پیرا ہو کر شوکت و عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

ظاہر پرست علماء محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے صرف اِس لیے اِسے ناجائز اور (نعوذ باﷲ) حرام قرار دیتے ہیں کہ اِس قسم کی محافل اور جشن کی تقاریب اَوائل دورِ اِسلام میں منعقد نہیں ہوئیں۔ اِس بحث کے تناظر میں بدعت کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت پر جید ائمۂ حدیث و فقہ کے حوالے سے ہمارا موقف بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اِسے لغت کی رُو سے بدعت کہنا صحیح ہے لیکن صرف بدعت کہہ کر اِسے ہدفِ تنقید بنانا اور ناپسندیدہ قرار دینا محض تنگ نظری اور ہٹ دھرمی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ہر دور میں ہر چیز کی ہیئت اور صورت حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے انداز اور ذرائع آمد و رفت بہ تدریج بدلتے رہے ہیں، آج لوگ پیدل یا اونٹ، گھوڑوں پر سوار ہو کر حج کے لیے نہیں جاتے، پہلے جو فاصلے مہینوں میں طے ہوتے تھے اب جدید ذرائع آمد و رفت سے گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اَرکانِ اِسلام کی ادائیگی کی صورتِ حال بھی اب پہلے جیسی نہیں۔ اس میں کئی جدتیں اور عصری تقاضے شامل ہو چکے ہیں مگر ان کی ہیئت اَصلیہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اِسی پس منظر میں اگر جشنِ میلاد النبی ﷺ کی موجودہ صورت دیکھی جائے تو یہ اپنی اَصل کے اِعتبار سے بالکل حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ جس طرح ہم محافلِ میلاد میں حضور ﷺ کے لیے نعت کا اہتمام کرتے ہیں، آپ ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرتے اور مختلف انداز میں سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، جو فی الواقعہ ہمارے جشنِ میلاد منانے کا مقصد ہے، اِسی طرح کی محفلیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا تھا، عہدِ نبوی ﷺ میں بھی منعقد ہوتی تھیں اور آپ ﷺ محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے حتی کہ اپنی محفلِ نعت خود منعقد کرواتے تھے۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی عمل کی اصل قرآنِ حکیم یا سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن و تشنیع اور گمراہی یا گناہ وغیرہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بفرضِ محال قرآن و سنت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن و سنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع جائز ہے ہاں صرف اُس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابل مذمت ٹھہرے گی۔ جب قرآن و سنت پر پرکھنے کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قرآن و سنت کی فلاں نص کے خلاف ہے یا شریعت کے فلاں حکم کی مخالفت میں ہے۔

مختصراً یہ کہ کسی بھی عمل کو اِس ڈھب پر اور اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لیے ہمیں یہ اَمر ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا کہ کسی عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں پر مبنی ہوتی ہے۔ کبھی اس کام میں کئی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئی مصلحتیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی نیا کام صرف اُس وقت ناجائز اور حرام قرار پاتا ہے جب وہ شریعتِ اسلامیہ کے کسی حکم کی مخالفت کر رہا ہو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسے ہدفِ تنقید و تنقیص بنانے کا کوئی جواز نہیں۔ (۱)

(۱) تصورِ بدعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے ہماری تصنیف ''کتاب البدعۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **ابن اثیر**، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ الکامل في التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۳۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ شیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۴۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ البحر الزخار۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۶۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ البحر الزخار۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳.

۷۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۸۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی الترمذی (۲۰۹۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء

التراث العربي۔

۹۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **المنتظم في تاريخ الملوک والأمم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۰۔ **حارث**، ابن ابی اسامہ/ الحافظ نور الدین ہیثمی (۱۸۶۔ ۲۸۲ھ)۔ **مسند الحارث (زوائد الهيثمي)**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ النبویہ، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۱۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحيحين**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۱۲۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۳۔ **حکیم ترمذی**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر (۳۶۰ھ)۔ **نوادر الأصول في أحاديث الرّسول ﷺ**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۱۴۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۱۵۔ **دانی**، ابو عمرو عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید بن عمر الاموی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ **السنن الواردة في الفتن**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۶۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔

۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۷۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الھمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۸۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الھمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۹۔ **ذہبی**، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۲۰۔ **ابن رجب حنبلی**، زین الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن بن شہاب الدین (۷۳۶۔۷۹۵ھ/۱۳۳۶۔ ۱۳۹۳ء)۔ **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۷ھ۔

۲۱۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن الصلت السدوسی ابو یوسف(۱۸۲۔۲۶۲ھ)۔ **مسند عمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب، ۱۴۰۵ھ۔

۲۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح سنن ابن ماجه**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۲۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوی للفتاوی**۔ بیروت، لبنان: دار

الکتاب العربی، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۲۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**۔ بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔

۲۵۔ **شبیر احمد عثمانی،** (۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء)۔ **فتح الملهم بشرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۲۶۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۲۵۵ھ)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ **شمس الحق**، عظیم آبادی، ابو طیب۔ **عون المعبود شرح سنن أبی داؤد**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۲۸۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۲۹۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ دوحہ، قطر: دارالثقافہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۳۰۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۰ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ القاھرہ، مصر: دار الحرمین ۱۴۱۵ھ

۳۱۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۰ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم و الحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۳۲۔ **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم و الملوک**۔ بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۳۳۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۳۴۔ **ابن ابی عاصم**، ابوبکر عمرو بن ابی عاصم ضحاک شیبانی(۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ السنۃ۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۳۵۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النمری، (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمھید لما فی الموطا من المعانی والأسانید۔ مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف، ۱۳۸۷ھ۔

۳۶۔ **ابن عبد السلام**، امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ قواعدالأحکام فی مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۳۷۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الھادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتھر من الأحادیث علی ألسنۃ الناس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۸۔ **عظیم آبادی**، محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طیب۔ عون المعبود علی سنن ابی داؤد۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۳۹۔ **قضاعی**، ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ مسند الشھاب۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۴۰۔ **لالکائی**، ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور (م ۴۱۸ھ)۔ إعتقاد أھل السنۃ۔ ریاض، سعودی عرب، دار طیبہ، ۱۴۰۲ھ۔

۴۱۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۷۔۲۷۵ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۴۲۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۴۳۔ **مبارک پوری**، ابو العلاء محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ تحفة الأحوذی في شرح جامع الترمذي۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۴۴۔ **مسلم**، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشیر ی النیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۵۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۴۶۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۴۷۔ **ابن منظور**، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ/ ۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۴۸۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء + حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء

۴۹۔ **نووی**، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن حزام

(م ۶۷۶ھ)۔ تهذيب الأسماء واللغات۔ بيروت، لبنان: دار الفكر، ۱۹۹۶ء۔

۵۰۔ وادیاشی، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی الاندلسی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج۔ مكة المكرّمة، دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۵۱۔ وحید الزماں (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)، هدية المهدى من الفقه المحمدى۔ ۱۳۲۵ھ۔

۵۲۔ ہیتمی، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ الفتاویٰ الحدیثیة۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۵۳۔ ہیثمی، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث+ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

www.MinhajBooks.com